اسلام میں دین وسیاست کا باہمی رابطہ

مولف: مہدی زحمتکش، علی جعفری
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی

اجتماعی اور سیاسی فکری حلقہ میں دین وسیاست کا رابطہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اسلامی دنیا میں مسلمان مفکرین کے درمیان اس رابطہ کی نوعیت پر بڑی بحث موجود ہے۔ بعض افراد نے دین وسیاست میں ہر طرح کے رابطہ کا انکار کیا ہے اور ایک دوسرے کے امور میں کسی طرح کی دخالت کو طرف مقابل کے ناکارہ ہونے کا سبب گردانا ہے لہٰذا وہ ان دونوں کے درمیان مکمل جدائی کے قائل ہیں۔

دوسرا گروہ اپنے استدلالی بیان کے ذریعہ دونوں کے درمیان بڑے گہرے رابطہ کا قائل ہے ہر چند کہ اس گروہ میں دین وسیاست کے درمیان رابطہ کی نوعیت وکیفیت میں اختلاف نظر ہے لیکن اصل رابطہ اور عمل ورد عمل میں وہ متفق القول ہے۔اس تحقیق میں اصل سوال یہ ہے کہ دونوں گروہ، کن دلیلوں کی بنیاد پر دین وسیاست کے رابطہ اور عمل ورد عمل کے بارے میں باتیں کرتے ہیں؟ مکتب اسلام میں دین وسیاست میں نظری رابطہ بھی ہے اور یہ دونوں روابط آپس میں ہم آہنگ اور مرتبط بھی ہیں۔ مختلف نظریات کے ذریعہ دین وسیاست کے رابطہ کے بارے میں دونوں گروہوں کے نظریات کی تحقیق اس تحریر کا مقصد ہے۔

حکومتی اور سیاسی نظریہ کے اعتبار سے مسلمانوں کے درمیان ایک بڑا اختلاف یہ ہے کہ سیاست اور انسانوں کے دنیوی امور کیا دین کا جزء ہیں یا دین انسانوں کے صرف اخروی اور معنوی امور کا ذمہ دار ہے اور حکومتی امور عوام کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔ یہ ایک تاریخی سوال ہے۔ مختلف ادیان وشرائع کے پیروکاروں کے درمیان یہ سوال موجود تھا۔مثلاً فاضل مقداد عالم دین کی حیثیت سے فرماتے ہیں:

"دین اور حکومت دو ہمزاد ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر فائدہ مند نہیں ہیں۔"[۱]

رہبر دینی ہونے کے اعتبار سے امام خمینی بھی اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ خدا کی قسم اسلام مکمل طور پر سیاست ہے اسلام کا غلط تعارف کرایا گیا ہے۔ دوسری شریعتوں مثلاً مسیحیت میں بھی یہ مسئلہ موجود ہے لیکن مسیحیت کی تاریخ کی ابتداء اور جدید دور میں لوگوں نے سیاست کے حلقہ میں دین کی دخالت کو روکنے کی کوشش کی اور دوسری طرف دین میں سیاست کے نفوذ کو روکا گیا۔ در حقیقت وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ دین ہر کسی کا انفرادی مسئلہ ہے، اس کا رابطہ خدا سے ہے لہٰذا اسے عام زندگی اور ملکی مسائل میں سرایت نہیں کرنا چاہئے۔ کلیسا نے ہزاروں سال تک مغربی عوام پر حکومت کی لیکن کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جس کے نتیجہ میں بعض مغربی سیاسی مفکرین دین اور حیات اجتماعی میں فرق ودوری وعلیحدگی کے نظریہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے مغربی انسان کی زندگی میں دین کی دخالت کے چیلنج کو منظوری دی۔ اس نظریہ کے ظاہر ہونے کے بعد مغربی دنیا میں حکومتوں کی تشکیل ہوئی جنہوں نے داخلی اور خارجی امور میں دینی قوانین کی رعایت کے التزام کو ٹھکرا دیا۔ مغربی ممالک میں اس نظریہ کے پھیلنے کے بعد بہت سے اسلامی ممالک میں بھی یہ بات پھیل گئی اور آج کے دور میں بہت سے اسلامی ممالک میں غیر دینی حکومت ہے[۲]۔

مزید واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ وہ دین اور سیاست میں کسی طرح کے رابطہ کے قائل نہیں ہیں۔ مذکورہ نظریہ مغرب خصوصاً عیسائیت کے ہمنواؤں کی طرف سے پیش ہوا۔ اس کے مد مقابل بہت سے اسلامی مفکرین مکتب اسلام میں دین اور سیاست کے شدید اور مضبوط رابطہ کے قائل ہیں۔ یہ لوگ اپنے نظریات ثابت کرنے کے لئے عقلی اور نقلی (قرآن وسنت پیغمبرؐ) دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں۔ اس گروہ میں فارابی، ابن سینا، خواجہ نصر، مسکویہ ماوردی[۳]، ابن خلدون، فخر رازی، سید جمال الدین اسد آبادی، محمد عبدہ، اقبال لاہوری[۴]، امام خمینی وغیرہ شامل ہیں۔

۱۔ فاضل، مقداد بن عبداللہ (۱۳۹۶ق)، اللوامع الالہیہ فی مباحث الکلامیہ، ص ۲۶۲

۲۔ خواجہ سروری غلام رضا، وحدت دین وسیاست در اندیشۂ امام خمینی، مجلّہ علوم سیاسی، شمارہ ۱۶، ص ۹۲

۳۔ ماوردی، علی (۱۳۹۳ق / ۱۹۷۳م)، الاحکام السلطانیہ، ص ۵

۴۔ مطہری، مرتضٰی، نہضت ھای اسلامی در صد سالہ اخیر، ص ۴ و ۵

اسلامی دنیا میں خصوصاً دور حاضر میں مفکرین کاایک گروہ ایسا ہے جو دین وسیاست میں جدائی کا قائل ہے، اس کا کہنا ہے کہ دین وسیاست کی بحث میں جدائی کا قائل ہونا دینی اور سیاسی ریاست کا فریضہ ہے ۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہاجائے کہ سیاست کا دنیوی اور زمینی پہلو ہے اور دین کا خدائی اور اخروی چہرہ ہے۔ ان دونوں میں فاصلہ ہے۔ عبد الرزاق اور مہدی بازرگان جیسے افراد اس گروہ میں شامل ہیں۔ مثال کے طورپر عبد الرزاق مصری پیغمبر اکرمؐ کی حکومت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے پاس اگر چہ ریاست تھی لیکن یہ ریاست شان رسالت کے مطابق تھی اور ایک معنوی اور دینی حکومت تھی نہ کہ سیاسی حکومت[۱]۔

اس جماعت نے مختلف آیتوں، روایتوں اور عقل سے اپنی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ گروہ کون سی سند پیش کرتاہے اور حقیقت اسلام سے کون زیادہ نزدیک ہے؟ البتہ ہر چیز سے پہلے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام جیسے ایک ہی دین کے ماننے والوں میں دو طرح کے نظریات کیوں ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم دین وسیاست کی مختلف تعریفیں پیش کرتے ہیں۔

اس مقالہ میں عالم اسلام میں دین وسیاست کے رابطہ کے سلسلے میں مخالفین و موافقین کے مختلف نظریات کو پرکھا جائے گا، اس کے علاوہ دینی تعالیم سے ان کے تعلق کو بیان کیا جائے گا۔ ابتداء میں دین وسیاست کی مفہومی بحث کی طرف اشارہ ہوگا پھر اسلام میں دین وسیاست کے آپسی تعلق کے سلسلہ میں موافقین کے کچھ دلائل اور نظریات پیش کئے جائیں گے پھر مخالفین کی دلیلیں پیش کی جائیں گی اور آخر میں نتیجہ اور اپنا نظریہ پیش کروں گا۔

مفہومی بحث

جیساکے پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے دین وسیاست کے آپسی تعلق کے سلسلہ میں اختلاف نظر کی ایک وجہ دین وسیاست کے رابطہ کی نوعیت، ان کی تعریفیں اور دین وسیاست کے بارے میں مفکرین کی مختلف فکریں ہیں۔ یہ بحث اس کی ماہیت اور مفہوم سے متعلق ہے۔ دین وسیاست کے بارے میں مفکرین نے مختلف تعریفیں پیش کی ہیں اور ہر ایک نے کسی معین زاویہ سے اسے دیکھا ہے۔ یہاں تمام تعریفیں تو نہیں سمیٹی جائیں گی البتہ کچھ نمونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔

۱۔ عبد الرزاق، علی، اسلام ومبانی قدرت، ترجمہ امیر رضائی، ص۱۷۱

الف: دین کی تعریف

محققین نے فلسفیانہ، کلامی، فقہی، قانونی، سماجی اور نفسیاتی پہلوؤں سے دین کی تعریف پیش کی ہے۔ ہم یہاں پر مغربی ثقافت اور اسلامی ثقافت کے تناظر میں چند تعریفوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ **مغربی ثقافت**: مغربی ثقافت میں دین کو کبھی معنوی اور کبھی ذاتی عنوان سے پرکھا گیا ہے لہٰذا اسلامی ثقافت میں بیان ہونے والی تعریف سے الگ ہے۔ مغربی مفکرین نے دین کی تعریف سے اجتماعی، سیاسی، دنیوی اور مادی پہلوؤں کو الگ رکھا ہے۔ اس کے علاوہ بعض تعریفوں میں وحی اور آسمانی باتوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے۔ مثلاً نیل اسلر، فلورانس، کلاکون، اور فرداسٹر دیٹ بک نے دین کو پیچیدہ اصولوں کا مجموعہ بتایا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے مکمل منظّم اور مرتب شمار کیا ہے اور انسانی مشترک مسائل کے حل کے لئے اسے عمل وفکر انسانی کو جہت عطا کرنے والا مجموعہ گردانا ہے[۱]۔ لابڑسوں نے دین کی تعریف بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ کچھ یقینی امور پر دین کا اطلاق ہوتا ہے جو تجرباتی اور غیر تجرباتی امور کو تمیز دینے والا ہوتا ہے۔ یہاں تجرباتی امور کو غیر تجرباتی امور سے کم اہمیت حاصل ہے۔

مارکس اور انگلش کا خیال ہے کہ جس نے ابھی اپنے آپ کا انکشاف نہیں کیا ہے یا اپنے آپ کو گم کر رکھا ہے اس انسان کی خود آگاہی اور اپنے احساس کا نام دین ہے۔ دین بشر کا خیال تحقق ہے کیوں کہ ذات بشر کی کوئی واقعیت نہیں ہے[۲]۔

رایناخ کا کہنا ہے کہ دین ایسے اوامر ونواہی کا مجموعہ ہے جو انسان کی صلاحیت کے آزاد عمل کو روک دیتا ہے۔ ماٹیو آرنولڈ کا کہنا ہے کہ دین اس اخلاق کا نام ہے جو احساس اور عاطفہ کو بلندی، گرمی اور روشنی عطا کرتا ہے[۳]۔

۲۔ **اسلامی ثقافت**: اسلامی دنیا میں کلامی، فقہی اور فلسفی نکتہ نگاہ سے دین کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس میں دین کی بنیاد اور اس کا مقصد، اس کا لائحہ عمل اور انسان کا دین سے رابطہ بیان ہوتا ہے۔ ہم یہاں چند تعریفوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

۱۔ عمید زنجانی، عباس علی، نسبت دین وسیاست، مجلّہ فلسفہ، کلام وعرفان، ص ۲۹

۲۔ شجاعی زند، علی رضا، تعریف دین ومعضل تعدد، مجلّہ نقد ونظر، سال پنجم شمارہ سوم وچہارم (۱۳۸۵)، ص ۳۵

۳۔ سہرابی فر، محمد تقی، گذر از تعریف دین بہ شمول گرائی، مجلّہ رواق اندیشہ ۳۱ (۱۳۸۵)، ص ۵

استاد جعفر سبحانی فرماتے ہیں کہ معرفت اور ترقی کی طرف تحریک کا نام دین ہے جس کے چار پہلو ہیں اصلاح فکر و عقیدہ، اعلیٰ انسانی اصول کی پرورش، سماج کے افراد سے حسن رابطہ اور ہر طرح کی تفریق وتعصب کا خاتمہ۔

آیت اللہ مصباح یزدی کا خیال ہے کہ کائنات اور انسان کو پیدا کرنے والے پر عقیدہ رکھنا اور اس عقیدہ کے مطابق احکام پر عمل کرنا دین ہے[1]۔

عمید زنجانی دین کی تعریف میں کہتے ہیں کہ دنیا، انسان، معاشرہ اور موت کے بعد کی دنیا کے سلسلہ میں وحی الٰہی کے ذریعہ حاصل شدہ عقاید کے مجموعہ کا نام دین ہے۔ یہ تعریف ایمان کے سلسلہ منقول بعض روایتوں اور کلامی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ بعض ماہرین سماجیات نے دین کی جو سماجیاتی تعریف پیش کی ہے وہ بھی اس سلسلہ میں مفید ہو سکتی ہے۔ اس کا مقصد انسان کو بہترین روش حیات اور کامل بننے کی طرف لے جانا ہے[2]۔

علامہ سید محمد حسین طباطبائی نے تفسیر المیزان میں دین کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں منجملہ ایک تعریف یہ ہے کہ بشر کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے خدا کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعہ لائے ہوئے عقائد اور دستور العمل کا نام دین ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ قرآنی نقطہ نظر کے مطابق معاشرہ میں جاری اجتماعی سنت کا نام دین ہے، یہ اجتماعی سنت یا فطری دین اور حق ہے یا تعریف شدہ دین اور غیر فطری[3]۔

امام خمینی کی نظر میں اجتماعی حیات اور ذاتی حیات میں تمام انسانوں کے لئے دنیا وآخرت کی سعادت کے لئے ایک جامع لائحہ عمل کا نام دین ہے[4]۔ متعدد جملوں میں آپ نے یہ تعریف بیان کی ہے جس میں سے مندرجہ ذیل تعبیر سب سے واضح ہے:

”غیر توحیدی مکاتب فکر کے برخلاف اسلام ایسا مکتب فکر ہے جو تمام انفرادی، اجتماعی، مادی، معنوی، ثقافتی، سیاسی، فوجی اور اقتصادی شعبوں میں لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ اس میں تربیت انسان، معاشرہ اور اس

۱۔ گذر از تعریف دین بہ شمول گرائی، ص ۵
۲۔ نسبت دین وسیاست، ص ۷۳
۳۔ محمدی، سید مرتضیٰ، رابطۂ دین وسیاست درسہ حوزہ نبوت، امامت و فقاہت، مجلّۂ فلسفہ، کلام وعرفان، ص ۲۳
۴۔ وحدت دین وسیاست در اندیشۂ امام خمینی، ص ۹۴

کی مادی و معنوی ترقی کے لئے کسی بھی نکتہ کو فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے۔ اجتماع اور فرد کی ترقی کی راہ میں حائل تمام مشکلات و موانع بیان کر دیئے گئے ہیں اور انہیں ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے[۱]۔

دین کے سلسلہ میں علامہ محمد تقی جعفری فرماتے ہیں: دین کے دو رکن ہیں، عقیدہ اور احکام۔ دوسرے رکن کے دو حصے ہیں اخلاقیات اور فقہی احکام۔ دوسری طرف فقہی احکام کے بھی دو حصے ہیں۔ احکام اولیہ اور احکام ثانویہ[۲]۔ ان ساری تعریفوں میں دین کو ایک جامع لائحہ عمل کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس کے اندر انسانی وجود کے تمام پہلو موجود ہیں۔ یہ وحی الٰہی پر مبنی ہے اور پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں تک پہونچتا ہے۔ سید محمد باقر الصدر دین کی تعریف پیش کرتے ہوئے مندرجہ ذیل آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[۳]۔ دین انسان کی سرشت اور فطرت الٰہی ہے، اللہ نے اسی پر لوگوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت کبھی نہیں بدل سکتی، جس طرح انسان کے کسی حصہ کو اس سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے اسی طرح اس کے دین کو بھی اس سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے[۴]۔ اس تعریف کی بنا پر دین انسان کی فطرت اور ذات میں داخل ہے اور اس کے وجود سے جدا نہ ہونے والا حصہ ہے۔ دوسرے بیان میں انہوں نے دین کو انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بتایا ہے جو اس کی ذات سے ہم آہنگ ہے لہٰذا دین، وجود انسان کے ساتھ تکوینی طور پر موجود ہے۔

انہوں نے آیت شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ[۵] کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس جگہ دین تشریع قانون کے عنوان سے موجود ہے جو خدا کی جانب سے آیا ہے[۶]۔ دین قوانین الٰہی و آسمانی کا مجموعہ ہے

۱۔ امام خمینی، فرہنگ نامہ سیاسی، الٰہی، ص ۸
۲۔ رابطۂ دین وسیاست درسہ حوزہ نبوت، امامت و فقاہت، ص ۲۴
۳۔ سورہ روم، آیت ۳۰
۴۔ صدر، سید محمد باقر، سنت ہائے تاریخ در قرآن، ص ۲۰۱
۵۔ سورہ شوریٰ، آیت ۱۳
۶۔ سنت ہائے تاریخ در قرآن، ص ۱۱۶ و ۲۰۰

جو وحی الٰہی کے ذریعہ اور پیغمبر کے وسیلہ سے انسانوں کی ہدایت کے لئے ان تک پہونچا ہے اور ان کی فطری وذاتی ساخت سے ہم آہنگ ہے۔

دین انسانوں کے لئے بنایا گیا ہے۔اب انسانوں کے وجودی پہلو اور دین کے لئے اس کی موضوعیت کے پیش نظر دین حقائق سے ہم آہنگ اور انسانی ذات پر منطبق ہے جو کمال عطا کرنے کے لئے خدا کی طرف سے آیا ہے۔ جو ہے اور نہیں اور ہونا چاہئے یا نہیں ہونا چاہئے کی صورت میں اور وحی کے ذریعہ بشر کے سامنے پیش کیا گیا ہے اور انسان کے مختلف پہلوؤں اور اس کی ضرورتوں پر اثرانداز ہوتا ہے، چاہے وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، جسمانی ہوں یا روحانی، مادی ہوں یا معنوی، دنیوی ہوں یا اخروی، ان تمام باتوں میں انسان کے لئے ہدایت موجود ہے۔اس تعریف سے مندرجہ ذیل نکات نتیجہ کے طور پر سامنے آتے ہیں:

۱. دین معرفت کا مجموعہ ہے

۲. دین کا موضوع انسان ہے کوئی دوسری چیز نہیں

۳. اس کی جڑیں انسان کے وجود میں پیوست ہیں۔ یہ فطری اور ذات کے اندر پایا جانے والا امر ہے۔

۴. دین کے ذریعہ انسان سعادت اور ترقی کے راستے پر گامزن ہوتا ہے۔انسان کی سعادت فردی، سماجی اور دوسرے پہلوؤں سے مرتبط ہے لہٰذا انسان کے مختلف پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے دین کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ہر دین کے دو بنیادی حصے ہوتے ہیں (الف) عقائد جو دین کی بنیاد اور جڑیں ہیں (ب) عملی اور اخلاقی قوانین جن کی بنیاد اعتقادی تعلیمات ہیں۔ قابل توجہ نکتہ یہ بھی ہے کہ دینی متون میں موجود عقائد اور اقدار اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں لہٰذا حق و باطل کے درمیان تمیز کرنا ضروری ہے۔

ب: سیاست کی تعریف

سیاست کی جامع و مانع تعریف مشکل ہے اس وجہ سے صاحبان نظر نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ جس طرح دین کی تعریف بہت وسیع، اختلافی اور پر تحقیق ہے اسی طرح سیاست کی تعریف بھی ہے۔ مغربی اور مشرقی ثقافت میں سیاست کی دو الگ الگ تعریفیں بیان کی گئیں ہیں جس کی وجہ مغرب کی دنیاوی نگاہ اور مشرق (اسلام) کی الٰہی طرز نگاہ ہے۔

اسلامی دانشوروں نے سیاست کی تعریف بیان کرنے میں اس کے لغوی معنی پر توجہ دی ہے۔ لغت میں سیاست کا مطلب ہے پاس اور لحاظ رکھنا، محفوظ رکھنا، تدبیر، ہدایت، راستہ نکالنا، تہذیب، کسی نظام کو چلانا، تدبیر کرنا، ہدایت اور انتظام کرنا[1]۔ سیاست کی تعریف میں امام خمینی فرماتے ہیں کہ سیاست کا مطلب ہے کہ معاشرہ کی تمام مصلحتوں کو پیش نظر رکھیں، اس چیز کی طرف ہدایت کریں جس میں اس کی بھلائی ہے اور یہ کام انبیاء واولیاء سے مخصوص ہے۔ دوسرے لوگ اس طرح کی سیاست نہیں کر سکتے، یہ سیاست پیغمبروں سے مخصوص ہے اور ان کے اتباع میں علماء یہ کام کرتے ہیں[2]۔

دوسری جگہ آپ نے سیاست کی وہ تعریف کی ہے جو سادہ، رواں اور سب کے فہم سے نزدیک ہے، اس میں کوئی کلاسیکی یا علمی بات نہیں کہی گئی ہے۔ آپ نے ایک واقعہ کے ذیل میں بیان فرمایا کہ وہ شخص (ایران کے کسی ذمہ دار شخص کا ذکر ہے) قید خانہ میں میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ بدذاتی اور جھوٹ کا نام سیاست ہے آپ اسے ہمارے لئے چھوڑ دیں، اس نے ٹھیک ہی کہا اگر اس کو سیاست کہتے ہیں تو یہ انہیں لوگوں سے مخصوص ہے اور جو اسلام کی سیاست ہے، جو مسلمانوں میں ہونی چاہئے، جس معنی میں ائمہ کرام علیہم السلام "ساسۃ العباد" ہیں، وہ معنی اس سے الگ ہے[3]۔ اسلام کی نظر میں بھی انسان کو مادی، معنوی اور ملکوتی حیات کی طرف لیجانا سیاست ہے۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی حالت میں مادی اور معنوی اعلیٰ مقاصد کے لئے حیات انسانی کی مدیریت کا نام سیاست ہے[4]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو طرح کی سیاست ہوتی ہے، ایک وہ سیاست جو موجودہ دنیا میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور جس کا نقشہ غیر مذہبی افراد نے بنایا ہے اور وہ اس پر عمل پیرا ہیں۔ شہید صدر کی تعبیر کے مطابق اس میں التواء، افتراء وغیرہ ہے۔ دوسری سیاست وہ ہے جو دین کے بطن سے ہے اور صورت و معنی دونوں میں دنیا کے اندر موجود سیاست سے بالکل مختلف ہے اور آقائے صدر کی تعبیر کے مطابق افتراء، خفیہ سازش اور عوام فریبی سے کوسوں دور ہے۔ مسلمان مفکرین کی تحقیقات سے استفادہ

۱۔ دھخدا، علی اکبر، لغت نامہ، ج ۶، ۱۲۲۲۵؛ جمشیدی، محمد حسین، رخ اندیشہ، ص ۵۶

۲۔ امام خمینی، ولایت فقیہ، ص ۱۱۶

۳۔ ایضاً، ص ۱۵۷۔۱۶۸

۴۔ جعفری، محمد، سکولاریسم از دیدگاہ شہید مطہری، مجلّہ فلسفہ، کلام و عرفان، شمارہ ۱۴ (۱۳۸۱)، ص ۶۴

کرتے ہوئے ہم سیاست کی پہلی قسم کو گمراہ کن سیاست اور امام خمینی کی تعبیر کے مطابق شیطانی سیاست کہہ سکتے ہیں ، اور دوسری قسم کی سیاست کو سیاست فاضلہ ، عادلہ اور انسانی والٰہی سیاست کا نام دیا جاسکتا ہے اور اس کے توسط سے حقیقی سعادت حاصل کی جاسکتی ہے[۱] لیکن یہی نیک اور سیاست عادلہ جو عالم اسلام میں ایک حد تک دونوں گروہوں کے مد نظر ہے، ایک گروہ کی نظر میں اس کا مقصد اور پیغام اس دنیا کے لئے ہے لہٰذا وہ دین سے جدا ہے حالانکہ دوسرے گروہ کی نظر میں سیاست، دنیاوآخرت دونوں کے لئے ہے لہٰذ دین سے ہم آہنگ ہے اور دین کا جزء ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دین، انسان کی دنیا کو بھی سنوارنے کے لئے آیا ہے۔

امام خمینی کے بیان میں بھی اس طرح کے اشارے موجود ہیں کہ اسلام عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے آیا ہے[۲]۔ امام خمینی کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ دین ایسی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے جس کا مقصد قیام عدالت کے لئے سیاست کی تدوین اور اس سے کام لینا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ انسانی معاشرہ اور نفس انسان میں سیاست عادلہ ایجاد کرنا دین کا مقصد ہے۔ عمید زنجانی بھی دین کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ حکومتی سطح پر انتظامی امور کی دیکھ بھال اور عوام کی بھلائی کے لئے مختلف امور کی انجام دہی اور اجتماعی مصلحت کی خاطر عمومی امور کی رہنمائی اور ملک کے مختلف شعبوں کے بہترین نظم ونسق کا نام سیاست ہے۔ ایک معاشرہ کو چلانے کا علم یا حکومت کے ذریعہ سے عوام کے امور کو انجام دینے کا علم سیاست ہے[۳]۔

مغرب کی نظر میں اجتماعی اور عمومی امور کو انجام دینا سیاست ہے۔ اس کا محور طاقت یا سیاسی طاقت[۴] یا اقدار کی آمرانہ تخصیص کے مقصد کے ساتھ حکومت ہے۔ اگر ان کو جمع کیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ عمومی امور کی تدبیر یا عمومی امور میں شرکت یا انسان کے مناسب مصالح کی حفاظت کا نام سیاست ہے جس میں انسان کے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلو موجود ہوں[۵]۔

۱۔ فارابی، ابونصر، تحصیل السعادۃ، ص ۴۶

۲۔ امام خمینی ، شؤون واختیارات ولی فقیہ، ترجمہ ولایت فقیہ ازکتاب البیع، ص ۲۰

۳۔ نسبت دین وسیاست، ص ۷۵

۴۔ دورژہ، موریس، اصول علم سیاست، ص ۱۴

۵۔ رخ اندیشہ، ص ۸۰

دین وسیاست کے آپسی تعلق کے موافقین کا نظریہ

دین وسیاست کے آپسی تعلق کو ماننے والے افراد اگرچہ اس تعلق کی نوعیت اور اس ضمن میں پیش کئے گئے دلائل کے سلسلہ میں متفق نہیں ہیں لیکن اصل تعلق کو سبھی قبول کرتے ہیں۔ در حقیقت دین وسیاست کے لازم وملزوم ہونے سے اگر صرف نظر بھی کرلیں تو تعلیمات اسلام کے تین اصولی شعبے یعنی آئیڈیالوجی، شریعت اور اخلاق خود دین وسیاست کے عمیق رابطہ کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ان میں جدائی نہیں ہوسکتی یا اگر مضامین دین اور حقیقی مسائل کو دیکھا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ دین وسیاست میں ایک منطقی اور حقیقی ربط ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں[1]۔ اس رابطہ کو ماننے والے کتاب، سنت اور عقل سے اپنی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قرآن نے دنیا وآخرت کے اٹوٹ رابطہ کو " آخرت میں انسان کا چہرہ " ، " تجسم اعمال" اور "آخرت کی جزا اور سزا کی دنیاوی بنیاد" کے طور پر بیان کیا ہے۔ دنیا میں انسان جو طریقہ بھی اپنائے گا اس کا اثر آخرت میں نظر آئے گا۔ آخرت کی سعادت دنیا کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس وجہ سے کوئی عمل ایسا نہیں ہوسکتا جس میں صرف دنیوی پہلو ہو اور آخرت میں اس کا کوئی اثر نہ ہو یا کوئی ایسا عمل نہیں ہوسکتا جس کا آخرت میں تو اثر ہو لیکن دنیا میں وہ بے تاثیر ہو۔ دوسری طرف یہ بھی واضح ہے کہ معاشرہ کے افراد کا کردار، عادت اور ثقافت حکومتوں کے اہداف اور نوعیت سے کتنی متاثر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ آج کے معاشرہ میں جب بظاہر لوگوں کی بنائی ہوئی حکومت ہے اس میں ذرائع ابلاغ، اطلاعات، ثروت وغیرہ پر حکومت کے ایک خاص طبقہ کا ہمیشہ قبضہ رہتا ہے اور وہی افراد لوگوں کی خواہشوں کو مہمیز کرتے ہیں[2]۔

عوام کی ثقافت پر خاندانی تربیت سے زیادہ حکومت کا اثر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مثل بھی مشہور ہے کہ النّاس علیٰ دین ملوکھم، عوام اپنے حاکموں کی دینی روش پر چلا کرتے ہیں۔ النّاس بامرائھم اشبہ منھم بآبائھم، لوگ اپنے باپ سے زیادہ حکام سے مشابہ ہوتے ہیں۔ قرآن نے بھی گمراہوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو بیان کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: ربنا اطعنا ساداتنا وکبرائنا فاضلّونا

۱۔ نسبت دین وسیاست، ص ۷۵

۲۔ اکبریان، علی، دین وسیاست، مجلّہ فلسفہ، کلام وعرفان شمارہ ۲و۳ (۱۳۷۶)، ص ۳۲۹

السبیلا، پالنے والے! ہم نے اپنے رئیسوں اور بزرگوں کی اطاعت کی تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ لہٰذا اگر دین صرف انسان کی اخروی سعادت کے لئے ذمہ دار ہوتا تو پھر بھی اس کی دنیا خصوصاً حکومت کے بارے میں خاموش نہیں رہ سکتا تھا کیوں کہ انسان کی اخروی سعادت بھی اسی دنیا کا نتیجہ ہے[1]۔ لہٰذا دین اور سیاست کا رابطہ اتنا عمیق ہے کہ ان دونوں کے درمیان جدائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس خیال سے اتفاق رکھنے والے افراد چند دلیلیں پیش کرتے ہیں:

اول: میدان سیاست اور قلمرو دین میں بہت سی باتیں مشترک ہیں جو مقصد اور اجتماعی زندگی کے بہت سارے مسائل میں دونوں کو ایک دوسرے سے ملادیتی ہیں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ دونوں میں کچھ خصوصیتں اور فرق پیدا کر دینے والی باتیں بھی ہیں اسی وجہ سے خاص حالات میں ان کا ایک دوسرے سے جدا ہو جانا ناگزیر ہے۔

دوم: مسائل دین کا بہت بڑا حصہ سیاست کے حلقہ میں آتا ہے اور اسی طرح سیاست کے بہت سارے مسائل دین کے زیر نگین ہیں لہٰذا نظری یا نفاذ کے نقطہ نظر سے دونوں کا ایک دوسرے کے حلقہ میں کھینچ آنا لازمی ہے۔ اسی وجہ سے سیاست دین کا طالب ہے اور دین سیاست کا طلبگار ہے۔

سوم: بعض افراد دین وسیاست کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک دینی معاشرہ میں خواہ نخواہ اس کی ہر شئے منجملہ اس کی سیاست بھی دینی ہوگی۔ یہ ایک جبری تلازم ہے جب کسی سیاسی معاشرہ کے عوام دیندار ہوں گے تو سیاست بھی دینی ہوگی اور جب تک وہ دیندار رہیں گے ان میں یہ خصوصیت باقی رہے گی۔ سیاست کو دین سے جدا کرنے کے لئے لوگوں کو دین سے جدا کرنا پڑے گا۔ جب معاشرہ بے دین ہوگا تو سیاست بھی غیر دینی ہو جائے گی[2]۔ اس سے اہم بات یہ ہے کہ دین وسیاست دونوں کا موضوع انسان ہے اور انسان ایک ایسا موجود ہے جس کے دو پہلو ہیں، ایک دین سے جڑا ہے تو دوسرے پہلو سے سیاست مربوط ہے۔ اب ہم یہاں چند نظریات کی کلی طور پر تحقیق کریں گے۔

۱۔ دین وسیاست، ص ۳۳۰

۲۔ نسبت دین وسیاست، ص ۷۶

دین وسیاست قرآن کریم کی نگاہ میں

قرآن کریم کی جامعیت سب تسلیم کرتے ہیں۔اس میں مختلف موضوعات پر بحثیں موجود ہیں جو اس کے وسیع و عمیق معارف کی دلیل ہیں۔ قرآن مجید میں سیاست کی بحث کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ دین وسیاست کے مابین تعلق جیسے اہم مسئلہ کو قرآن کریم میں بڑی وضاحت کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ حکومت کی تشکیل کی ضرورت، بین الاقوامی رابطہ، شوری اور مشورہ، نظام سیاسی اور مختلف سیاسی مفاہیم قرآن کریم میں موجود ہیں۔ قرآن کریم کے نقطہ نظر سے حکومت دین کے اندر پوشیدہ ہے اور انسانوں کو اس کی بہت ضرورت ہے:

۱. بنی اسرائیل کی داستان میں ہمیں نظر آتا ہے کہ چونکہ ان کے پاس کوئی قوی اور لائق حاکمیت نہیں تھی لہٰذا وہ داخلی خلفشار کا شکار رہے۔ آخر میں کمزوری اور پھر شکست کا شکار ہوگئے اور دشمن ان پر فتحیاب ہوگیا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر صاحب اقتدار حکومت نہیں ہوگی جو سرکشوں کی سرکوبی کرسکے تو زمین پر فساد پھیل جاتا ہے۔

۲. بنی اسرائیل کے مقابلہ میں لشکر جالوت کی شکست ایک مناسب رہبر کی وجہ سے ہے۔

۳. لائق اور صالح حکومت کا نقشہ قرآن کی بہت سی آیتوں میں موجود ہے، منجملہ سورۂ یوسف کی آیت ۲۱ و ۵۶، سورۂ کہف کی آیت ۸۴، سورۂ نور کی آیت ۵۵، سورۂ ص کی آیت ۲۶ اور سورۂ نساء کی آیت ۵۸ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

۴. قرآن کریم نے غیر الٰہی اور طاغوتی حکومت پر سخت تنقید کی ہے۔

۵. قرآن مجید میں دین وسیاست کے باہمی رابطہ پر بہت سی آیتیں موجود ہیں۔ اس آسمانی کتاب میں جو تاریخی شواہد موجود ہیں اس مقام پر ان کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب الٰہی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے پیغمبروں کو منصب نبوت کے ساتھ ساتھ فرمان روائی کا منصب بھی عطا کیا گیا تھا۔ وہ باضابطہ طور پر معاشرہ کے امور کے ذمہ دار تھے اور لوگوں کو امر و نہی کرتے تھے اور انہیں زندگی کا سلیقہ سکھاتے تھے۔ مثلاً قرآن مجید نے آل ابراہیم کی حاکمیت اور فرمان روائی کی جو خبر دی ہے اس میں " مُلکاً عَظیماً" کے ذریعہ اس حاکمیت کی توصیف و تعظیم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فقد آتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمة وآتیناھم مُلکاً عَظیماً، ہم نے آل ابراہیم

کو کتاب وحکمت دی ہے اور انہیں ایک بہت بڑی سلطنت عطا کی ہے۔ مصنفین اور صاحبان نظر نے ملک عظیم کا مطلب یہ بتایا ہے کہ آل ابراہیم ایک معاشرہ کے نگراں اور مدار المہام تھے اور یہ امر دین وسیاست کی ہم آہنگی پر ایک دلیل ہے جو قرآن نے پیش کی ہے[۱]۔

طالوت وجالوت کا واقعہ دوسری دلیل ہے جو متن قرآن سے پیش کی جاسکتی ہے۔ قرآن نے دین وسیاست کے ہمزاد ہونے پر اسے نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ خدا کی نظر میں دونوں مل کر سعادت اور ہدایت کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔ سیاست کے بغیر دین اور دین کے بغیر سیاست کبھی بھی معاشرہ کے نجات کی ذمہ داری نہیں لے سکتی، ان دونوں کے بغیر سماج انحراف اور کجروی سے نہیں بچ سکتا۔ خدا نے دین اور سیاست دونوں کو ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر پر نازل کیا ہے[۲]۔

۶. خداوند عالم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو طرز حکومت کی خبر دی اور فرمایا: اے داؤد میں نے تمہیں روئے زمین پر خلیفہ بنایا ہے تاکہ خلق خدا کے درمیان حق فیصلہ کرو اور ہوائے نفس کی پیروی ہر گز نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے راستہ سے گمراہ کردے، جو لوگ راہ خدا سے بھٹک جاتے ہیں چونکہ انہوں نے حساب اور روز قیامت کو فراموش کردیا ہے اس وجہ سے وہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے[۳]۔

اس آیت میں حضرت داؤد کا خدا کی طرف سے بعنوان حاکم اور خلیفہ تعارف اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ نبوت کے علاوہ سیاست اور حاکمیت کی شان بھی رکھتے تھے، اس سے دین وسیاست کا باہمی ارتباط اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔

۸۔ مختلف معاشروں کے ساتھ روابط کے سلسلہ میں قرآن کریم کا بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ دین وحکومت (سیاست) کا آپس میں رابطہ ہے کیوں کہ قرآن کی بعض آیتوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ اگر اسلامی معاشرہ اور حکومت کسی دوسرے معاشرہ سے کوئی بین الاقوامی معاہدہ کرے تو چاہے وہ دار الکفر ہی کیوں نہ ہو اس کی پابندی ضروری ہے اور معاہدہ کا توڑنا اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ طرف مخالف معاہدہ نہ توڑ دے۔ سورۂ توبہ میں برأت مشرکین کے بارے میں لکھا ہے کہ مشرکین

۱۔ محمدی، سید مرتضی، رابطہ دین وسیاست در سہ حوزہ نبوت، امامت وفقاہت، ص ۲۷

۲۔ ایضاً، ص ۲۷

۳۔ سورہ ص، آیت ۲۶

سے برأت ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جنہوں نے تمہارے دشمن کی مدد نہیں کی ہے لہٰذا آخری وقت تک عہد نامہ پر عمل کرو کہ خدا متقین کو دوست رکھتا ہے۔ اس بناپر سیاست خارجہ اور بین الاقوامی روابط میں اسلامی ملک عوام اور دوسرے ملکوں کے لئے ذمہ دار ہے یعنی اگر اسلامی حکومت نے اپنی صلاح کے مطابق جبر واکراہ کے بغیر کسی حکومت یا شخص یا کسی غیر ملکی کمپنی سے کوئی معاہدہ کیا ہے تو اسے اپنے عہدہ وپیان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۹۔ قرآن کریم نے شوریٰ کے بارے میں گفتگو کی ہے جو حکومتوں اور سیاسی نظاموں کے لئے بڑی اہم اور نمایاں چیز ہے۔ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کا قدیم ترین نظام شوریٰ تھا۔ یہاں تک کہ ظالم حکومتیں بھی شوریٰ سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کو قانع کرتی تھیں اور دوسری طرف اپنی ذات سے خود غرضی اور ڈکٹیٹر شپ کے الزام کو دور کرتی تھیں۔ قرآن مجید میں بھی حکومت اسلامی کے نظم ونسق کے لئے شوریٰ کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اسے اسلام کے سیاسی نظام کی ریڑھ کی ہڈی شمار کیا جاتا ہے۔ سورۂ شوریٰ کی ۳۸ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ وامرھم شوریٰ بینھم، ان کے درمیان ان کے امور مشورے سے حل ہوتے ہیں۔ مکتب اسلام میں حکومت اور سیاست ایک دوسرے سے مربوط ہے جو شخص بھی قرآن، سنت پیغمبرؐ، طریقہ معصومینؑ اور تاریخ سے آگاہ ہے وہ جانتا ہے کہ حکومت و سیاست کو اسلام اور دین سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا جدا کرنے کی کوشش خود اسلام کو اسلام سے جدا کرنے کی کوشش ہوگی لہٰذا قرآن کی نظر میں دین اور سیاست میں جدائی قابل تصور نہیں ہے۔

امام خمینی کی نظر میں دین وسیاست کا رابطہ

عصر حاضر میں دین وسیاست کی طرفداری کرنے والوں میں اسلامی جمہوریہ ایران کے بانی امام خمینی کا نام سب سے اہم ہے۔ بہت سے صاحبان نظر نے دین وسیاست کے مسئلہ کو بیان کیا ہے لیکن عملی طور پر وہ دینی حکومت کی تشکیل نہیں کرسکے لیکن امام خمینیؒ نے ولایت فقیہ کے نظریہ پر مبنی دینی حکومت قائم کرکے عملی طور پر یہ ثابت کردیا کہ دین وسیاست اور دنیا وآخرت کے درمیان رابطہ ہے اور ان کی تکمیل ایک دوسرے کے ذریعہ ہوتی ہے۔ امام خمینی نے اپنی کتاب کشف الاسرار کے ذریعہ دین وسیاست کے رابطہ کے سلسلہ میں پہلا قدم اٹھایا اور اس فکر کی اشاعت میں کامیاب ہوئے۔

آپ کا خیال تھا کہ دین وسیاست میں جدائی استعماری نعرہ ہے جس کی داغ بیل بنی امیہ اور بنی عباس نے ڈالی تھی اور اس صدی میں استعماری طاقتوں نے اس کا نقشہ پیش کیا اور اس خیال کے وہی مبلغ بھی ہیں۔ اس طرح آپ نے اسلام اور عیسائیت کی شباہت سے بھی انکار فرمایا۔ آپ نے علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ اسلام کی حقیقت اور ماہیت کو پوشیدہ نہ رہنے دیں، کہیں لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ اسلام بھی عیسائیت کی طرح صرف ایک نام کی چیز ہے جس میں حق وخلق کے درمیان ربط کی چند باتیں ہیں اور بس اور مسجد وکلیسا میں کوئی فرق نہیں ہے۔"[۱]

ہر چند کہ سیاسی تعلق کے سلسلہ میں حقیقی مسیحیت اور اسلام میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن موجودہ کلیسا کے دور میں بڑا فرق ہے۔ آج کی مسیحیت نے کلیسا کو غیر سیاسی دینی تجلی کا مرکز بنا کر پیش کیا ہے اور اسلام نے مسجد کو دینی ماہیت کے ظہور کا مرکز بتایا ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آج کے مغربی تمدن پر مبنی دنیا کی روش اسی بات کا کنایہ ہے کہ اسلامی دنیا سے اس کا رخ الگ ہے اور مسلمانوں کو اپنی حقیقت اپنے تمدن میں تلاش کرنی چاہئے[۲]۔

اگر دین وسیاست کے باہمی ربط کو امام خمینی کے نظریات میں ہم تلاش کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس سلسلہ میں آپ کے اقوال کی وضاحت ضروری ہے۔ امامت اور ولایت امام خمینی کے اقوال کا نمایاں اور اہم حصہ ہے اور عبدالرزاق کے نظریہ خلافت معنوی سے بہت بلند ہے جسے ہم آئندہ تحقیق کا موضوع قرار دیں گے۔ اقوال امام خمینی میں توحید سے نبوت تک پھر امامت وولایت تک اور پھر تشکیل حکومت اسلامی تک بات پہونچتی ہے۔ان باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم لوگ جو ولایت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے اپنا فرض نبھایا اور خدا نے آپ کو خلیفہ معین کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے ولی امر مسلمین کا تعین فرمایا، ہمارے لئے تشکیل حکومت اسلامی کا نظریہ بہت ضروری ہے۔

امام خمینی کی نظر میں حکومت اسلامی کی تشکیل کے لئے مبارزہ، ولایت پر اعتقاد کا لازمہ ہے اور شرع وعقل کی بنا پر جس طرح حیات رسولؐ اور علیؑ میں حکومتی شعبوں کی ضرورت تھی ، اس طرح

۱۔ امام خمینی، ولایت فقیہ، ص ۱۰
۲۔ وحدت دین وسیاست در اندیشہ امام خمینی، ص ۹۶

ہمارے زمانے میں بھی ان کی ضرورت ہے[1]۔امام خمینی کے اقوال کا دوسرا نمایاں پہلو دین وسیاست کا اتحاد ہے۔ عبدالرزاق کا نظریہ دین وسیاست کی جدائی پر مبنی ہے اور انہوں نے دینی نصوص کے ذریعہ اسے ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اس کے بر خلاف امام خمینی نے دین وسیاست کے اتحاد پر زور دیا ہے۔ آپ کے قول کے مطابق دین، یعنی اسلام اور تشیع جامع اور کامل ہے، نہ اس میں کمی ہے اور نہ زیادتی، یہ بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ جمہوریہ اسلامیہ کے بانی کی نظر میں یہ حکم یقینی ہے۔ غیر توحیدی مکاتب فکر کے بر خلاف اسلام ، انفرادی، اجتماعی، مادی، معنوی، ثقافتی ، سیاسی ، فوجی، اقتصادی غرض کہ زندگی کے تمام شعبوں میں دخیل ہے۔ اس نے انسان اور معاشرہ کی تربیت اور مادی ومعنوی ترقی کا کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔[2]

لفظ سیاست کے بارے میں امام خمینی فرماتے ہیں کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ یہ لفظ بھی لفظ استعمار کی طرح دھوکہ اور فریب کے معنی میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس تبدیلی اور تحریف کی بناپر بعض افراد کے نزدیک دین اور سیاست کی جدائی قابل قبول قرار پائی۔ ظاہر سی بات ہے کہ فریب کے معنی میں استعمال ہونے والی سیاست کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی رابطہ نہیں ہے بلکہ اس سے تضاد ہے۔ مقدس دین اور دیندار افراد اس سے مبرا ہیں۔ دین سے سیاست کی جدائی کا باعث سیاست اسلامی اور سیاست شیطانی کا باہم اختلاط ہے۔ اس سلسلہ میں محمد عبدہ لکھتے ہیں کہ میں سیاست ، لفظ سیاست، معنائے سیاست اور اس میں استعمال ہونے والے ہر حرف سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔

اسلامی سیاست وہ سیاست ہے جسے انبیائے الٰہی نے قوانین الٰہی کے نفاذ، عدالت کے قیام، حاکمیت خدااور احقاق حق کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس سے امام خمینیؒ نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس طرح کی سیاست وہ ہے جو دین سے کبھی جدا نہیں تھی بلکہ ہمیشہ دین کے ساتھ ساتھ رہی اور آئندہ بھی اس کے ہمراہ رہے گی۔ اسی وجہ سے آپ نے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ تمام اسلامی احکام سیاسی ہیں اور ان کا ایک دوسرے سے جدا ہونا ناممکن ہے۔ امام خمینی کا کہنا یہ ہے کہ اسلام میں واضح سیاسی احکام کے علاوہ

۱۔ مظفری، آیت، چرایی نگاہ متضاد بہ رابطہ دین و سیاست نزد عبدالرزاق مصری وامام خمینی، ص ۱۶

۲۔ ایضاً، ص ۱۶

عبادی احکام بھی سیاسی ہیں اور اس کا سیاسی پہلو ناقابل تفکیک ہے۔ دنیوی اصلاح کے لئے صرف قانونی، سیاسی، اجتماعی، اقتصادی احکام ہی سیاسی پہلو کے حامل نہیں ہیں بلکہ عبادی احکام جو بندوں کے خصوصی فرائض ہیں وہ بھی عنصر سیاست سے جدا نہیں ہیں[1]۔

امام خمینی کی جامع نگاہ میں دین زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا احاطہ کرتا ہے اور سیکولرزم کی سختی سے نفی کرتا ہے۔ آپ کا یہاں تک کہنا ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام کا زندگی سے کیا کام تو وہ اسلام سے جنگ کرنے والا ہے اور اس کی معرفت سے عاری ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام کا سیاست سے کیا لینا دینا ہے تو وہ بھی اسلام سے جنگ کرنے والا ہے[2]۔ ان عقائد اور احکام پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین فقط معنوی امور اور آخرت سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا وآخرت اور مادی و معنوی زندگی کا ہر پہلو دین کے حلقہ میں داخل ہے۔ امام خمینی کی تعبیر یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سوچے کہ اسلام مسیحیت کی طرح ایک ایسا دین ہے جس میں انسان اور خدا کے درمیان ایک معنوی رابطہ ہوتا ہے اور بس بلکہ اسلام کے پاس زندگی اور حکومت کا لائحہ عمل موجود ہے[3]۔

دین وسیاست کے اتحاد اور رابطہ کے سلسلہ میں امام خمینی عقل اور قرآن وحدیث سے استفادہ کرنے کے علاوہ "ماہیت دین اسلام" کو بھی دلیل کے طور پر پیش فرماتے ہیں اور وہ اس طرح کہ سیاست کے بغیر دین اسلام کی جامعیت کا تصور ناممکن ہے۔ آپ کی نظر میں اسلام دین سیاست ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کے حکومتی، سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی احکام پر نظر ڈالے تو اس پر بڑی آسانی سے یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی۔ لہٰذا جس کا یہ خیال ہے کہ دین سیاست سے جدا ہے تو وہ نہ تو دین کو پہچانتا ہے اور نہ سیاست کو[4]۔ دوسری جگہ آپ بیان فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے دین پر سیاست کی بنیاد رکھی ہے اس طرح اسلام کے اخلاقی احکام بھی سیاسی ہیں۔ قرآن کا یہ کہنا کہ "مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں" یہ ایک اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی حکم بھی ہے۔

۱۔ امام خمینی، ولایت فقیہ، ص ۱۹
۲۔ امام خمینی، صحیفہ امام، ص ۱۹
۳۔ چرایی نگاہ متضاد بہ رابطہ دین و سیاست نزد عبدالرزاق مصری و امام خمینی، ص ۱۶
۴۔ ایضاً، ص ۱۸

امام خمینی کی نظر میں دین، سیاست کی بنیاد ہے اور سیاست کو دین سے غذا ملتی ہے اور یہ سیاست، انسانی علمی تجربات اور بشری کارکردگی پر مبنی سیاست کی نفی کرتی ہے۔ دین اور سیاست میں اس قدر قوی امتزاج ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے اسے بڑی مشکل سے ایک دوسرے سے جدا کیا جاسکتا ہے عملی طور پر حکومت کو ایسے دیندار کے اختیار میں ہونا چاہئے جس میں مطلوبہ شرائط موجود ہوں اور اگر اس کے خلاف ہو تو ایسی حکومت کو امام خمینی اسلامی حکومت نہیں سمجھتے۔

شہید مطہری کی نظر میں دین سیاست کا ربط

دین اور سیاست کے باہمی تعلق کے حامیوں میں شہید مرتضٰی مطہری بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں اس سلسلہ میں بہت کچھ بیان کیا ہے اور حکومت کا نمونہ بھی پیش کیا۔ آپ کے نکتہ نظر سے دین اسلام ایک تجزیہ ناپذیر مجموعہ ہے جس کا ہر پہلو اپنی جگہ اہم ہے اور دین وسیاست باہم متحد ہیں، چونکہ سیاست اور دین ایک ہی شئے ہے اس وجہ سے انہیں الگ کرنا ناممکن ہے۔ جس حکومت کا نمونہ آپ پیش کرتے ہیں اس میں اسلام شناس حاکم کی حکومت ہوتی ہے۔ آپ دین و سیاست کو روح و جسم یا مغز و پوست کی طرح سمجھتے ہیں۔ اسلام کی ترقی کے خواہاں افراد کی سب سے بڑی آرزو یہ ہونی ہے کہ دین وسیاست ایک ہو جائے۔ اسلام اگر سیاست وحکومت اور جہاد کا حکم دیتا ہے تو یہ معنوی میراث یعنی توحید، معارف اسلامی، اخلاق، اجتماعی عدالت، مساوات اور عواطف انسانی کی حفاظت کی خاطر ہے[1]۔ آپ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

> "بنیادی کام یہ ہے کہ لوگوں میں یہ ایمان پیدا ہو کہ سیاسی مبارزہ ایک دینی اور مذہبی فریضہ ہے، لوگ غافل ہیں انہیں نہیں معلوم کہ اسلام کی نظر میں سیاست دین سے اور دین، سیاست سے جدا نہیں ہے لہٰذا دین وسیاست کے باہمی روابط کے بارے میں لوگوں کو سمجھانا چاہئے[2]۔"

استاد مطہری سیاست و دین کے تعلق پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> " سید جمال جیسے لوگوں نے دین وسیاست کی ہم بستگی کے بارے میں جو بتایا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ بقول کواکبی کہ سیاسی استبداد، دینی تقدس کا لبادہ زیب

۱۔ مطہری، مرتضٰی، امامت و رہبری، ص ۳۲

۲۔ مطہری، مرتضٰی، نہضت ہای اسلامی در صد سال اخیر، ص ۲۱

تن کرلے بلکہ اس کے بر عکس اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اپنی سیاسی سر نوشت کو دینی فریضہ اور ذمہ داری شمار کرے۔ دین وسیاست کی ہم بستگی کا مطلب دین کا سیاست سے وابستہ ہونا نہیں ہے بلکہ سیاست کا دین سے وابستہ ہونا ہے۔ چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ دین کا سیاست سے وابستہ ہونا یعنی حکام کو مقدس مقام کا حامل سمجھنا، اہل سنت کی دنیا سے مخصوص ہے، شیعوں میں ایسا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا۔ اولو الامر کی مندرجہ بالا تفسیر شیعوں کے یہاں نہیں پائی جاتی ہے۔"[۱]

استاد مطہری ایک عالم دین کی حیثیت سے آج کے معاشرتی مشکلات کے حل کے لئے دین اسلام کو پیش کرتے ہیں، آپ نے دنیا پر مسلط آج کی سیاست کو رد کرتے ہوئے سیاست اور دین میں ہم آہنگی کا نظریہ پیش کیا ہے۔

دین وسیاست کے باہمی ربط کے مخالفین کا نظریہ

اسلامی نظریہ پردازوں کا ایک گروہ دین وسیاست میں گہرے اور مکمل رابطہ کا قائل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مفہوم اور ساخت کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں اور ان دونوں کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اس نظریہ کے اصلی حامی جمہوری اسلامیہ ایران کے بانی امام خمینی تھے جن کے نظریات کو ہم نے پیش کیا۔ اب دین وسیاست کے باہمی رابطہ کے مخالفین کا نظریہ پیش کریں گے۔ نظریہ اتحاد کے پرچم دار اگر امام خمینی ہیں تو مخالفین میں سب سے بڑا نام علی عبد الرزاق مصری کا آتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں قرآن اور روایات سے یہ استدلال پیش کیا ہے کہ اسلام میں دین وسیاست کے درمیان کوئی رابطہ نہیں ہے۔

دین وسیاست میں جدائی کا نظریہ رکھنے والے چند باتوں میں مشترک ہیں۔ پہلا اشتراک تو اس بات میں ہے کہ اس گروہ کی نظر میں دینی تعلیمات کا تعلق آخرت اور بعد از مرگ کی باتوں سے ہے اور علم سیاست یہ پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا میں کیسے زندگی گذاری جائے گی لہٰذا دونوں نظریوں اور نتائج کا حلقہ الگ الگ ہے، دین اور سیاست کی حاکمیت کا میدان جدا ہے لہٰذا دونوں مختلف ہیں۔

۱۔ نہضت ہای اسلامی در صد سال اخیر، ص ۲۶

دوسرا اشتراک یہ ہے کہ دین اسلام کے تمام اصول اور اس کی تمام باتیں مقدس، آسمانی، پائیدار، ناقابل تنقید اور ناقابل تبدیلی ہیں حالانکہ سیاست ان بشری مسائل کا مجموعہ ہے جو بیشتر غیر اخلاقی، فساد اور آلودگی سے پُر ہے، اس میں ثبات نہیں ہے، حالات کے مطابق ہمیشہ قابل تنقید، اعتراض اور تبدیلی ہے لہٰذا دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں[1]۔

تیسرا محور اشتراک یہ ہے کہ دین کے حدود کو کتاب وسنت سے دریافت نہیں کر سکتے کیوں کہ قلمرو دین، اصول دین میں شامل ہے اور اصول دین کو تعبدی طور پر نہیں مانا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں نقلی دلیل سے تمسک (قرآن وسنت سے تمسک) سے دور لازم آتا ہے جو باطل ہے، اس طرح انسان دین کے کسی مسئلہ کو پانے کے لئے پہلے متکلمانہ دلیلوں سے قبول کرتا ہے کہ دین کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود ہے تا کہ فقیہانہ طور پر اس چیز کی تلاش شروع کرے[2]۔

اس بحث کا چوتھا محور اشتراک یہ ہے کہ اگرچہ دین کا کچھ حصہ دنیاوی زندگی کے مسائل سے متعلق ہے لیکن اس کا مقصد، سیاسی مقاصد سے میل نہیں کھاتا۔ ہوش مند، صاحب علم اور نیک لوگوں کی تربیت دین کا مقصد ہے جو اس طرح کی تربیت پا کر مادی مسائل سے بلند ہو کر معنوی کمال حاصل کریں اور موجودہ حالت سے معنوی اور اخلاقی مطلوبہ حالت کی طرف بڑھتے جائیں لیکن سیاست کا مقصد معنوی اور اخلاقی مسائل پر توجہ دئے بغیر صرف مادی حالت کو درست کرنا ہے[3]۔

دین و سیاست کے اتحاد کے مخالفین کے درمیان پانچویں مشترک بات جس پر سب متفق ہیں وہ یہ ہے کہ احکام و قوانین اسلامی کے پہچان کا سب سے معتبر اور پہلا مدرک قرآن کریم ہے، اس میں سیاست اور حکومت کی بات نہیں ہے حالانکہ دین وسیاست کے اتحاد کے حامی اسی قرآن سے سیاست و حکومت کو ثابت کرتے ہیں۔

چھٹا موضوع اشتراک وہی باتیں ہیں جو مولا علی کے زمانہ میں خوارج کیا کرتے تھے اور وہ یہ کہ خدا کے ارادہ کے علاوہ کسی کا ارادہ انسان پر حاکم نہیں ہو سکتا، عوام پر بلا شریک صرف خدا کی حاکمیت اور اطاعت ضروری

۱۔ نسبت دین و سیاست، ص ۴۲

۲۔ دین و سیاست، ص ۸٦

۳۔ ایضاً

ہے۔ وہ صرف دنیاکے پیدا کرنے والے کے فرماں بردار ہیں۔ کسی انسان کو خدا نے حاکمیت کا حق نہیں دیا ہے۔ علیؑ سے مخالفت کے موقع پر ان کا مشہور نعرہ الحکم للہ لا لک یا علی اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا[۱]۔

دین وسیاست کے متعلق علی عبدالرزاق کا نظریہ

دین وسیاست کے سلسلہ میں علی عبدالرزاق مصری کا نظریہ بہت اہم مانا جاتا ہے۔ انہوں نے ۱۹۲۵ میں "الاسلام والحکم" نامی کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے سیکولرزم پر بحث پیش کی ہے۔ وہ دین وسیاست کو مکمل طور پر ایک دوسرے سے جدا تصور کرتے ہیں اور شاید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ سیکولر نظریہ رکھنے والوں نے عبدالرزاق سے زیادہ کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی چار دہائیوں میں اسلام سے انحراف کے طور پر ان کی فکری پہچان کی جاتی ہے۔ لوگوں نے شدت سے ان کی مخالفت کی ہے لیکن رفتہ رفتہ دنیائے اسلام کے روشن فکر سیکولر افراد نے اسے قبول کرلیا۔ وہ سیکولرزم کو مشروع قرار دینے والوں میں شامل تھے[۲]۔ انہوں نے اپنی کتاب اور نظریہ کو اس استدلال پر تحریر کیا ہے کہ قرآن نے سیاست اور حکومت کے موضوع پر کچھ نہیں کہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ بس احکام خدا کا نفاذ ہو جائے یہی بات شریعت میں ثابت اور واجب ہے۔ اگر امت نے احکام الٰہی کے نفاذ کو مان لیا تو پھر کسی امام، خلیفہ یا ایسے انسان کا نصب کرنا ضروری نہیں ہے جو سیاست اور حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ امامت و خلافت کے مسئلہ میں متکلمین کا اختلاف اور یہ کہ وجوب نصب امام و خلیفہ عقلی ہے یا شرعی، اسی طرح ان لوگوں کا استدلال میں صرف اجماع پر اکتفاء کرنا اس بات کی علامت ہے کہ حکومت وسیاست کی بنیاد دین ہے۔[۳]

عبدالرزاق نے اپنے نظریہ کی توجیہ اور توضیح کی بڑی کوشش کی اور مختلف انداز سے استدلال پیش کرتے رہے۔ قرآن کریم کی آیات، روایات اور حکم عقلی کے ذریعہ انہوں نے اپنے نظریہ کو مقبول بنانے کی کوشش کی۔ اپنے استدلال میں قرآن سے فرائض پیغمبر بیان کرنے والی بہت سی آیتیں پیش کیں۔ ان کا خیال ہے کہ قرآنی آیات میں غور وفکر کرنے کے بعد ہم رسول خدا کے بلند مقام کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے

۱۔ دین وسیاست، ص ۷۳

۲۔ چرایی نگاہ متضاد بہ رابطہ دین و سیاست نزد عبدالرزاق مصری و امام خمینی، ص ۴

۳۔ نسبت دین وسیاست، ص ۷۲

ہیں۔ آیتوں میں جو باتیں صراحت سے نظر آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ کا تعارف حفیظ، بشیر، نذیر، خاتم النبین جیسے صفات سے کرایا گیا ہے۔ معاشرہ میں پیغمبر کے کام کو جن آیتوں میں بیان کیا گیا ہے ان کی نظر میں ان میں سب سے بہترین آیت ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ''[1] ہے۔اس بناپر اگر رسالت کے سوا پیغمبر کا کوئی دوسرا حق بھی ہوتا تو وہ بیان ہوتا۔ مثلاً اگر آپ بادشاہ اور سلطان ہوتے تو کم سے کم قرآن میں کسی ایک مقام پر ''حق الرسالہ'' کے ساتھ ''حق الملک'' کا ذکر ہوتا اور رسول و بادشاہ کا مقام بہت واضح ہے[2]۔ قرآن مجید کی آیات مثلاً سورہ نساء ۸۰، سورۂ انعام ۶۷، ۶۸، ۱۰۷، ۱۰۶، ۱۰۸، سورہ یونس ۶۸، سورہ شوریٰ ۲۱، ۲۲، سورہ غاشیہ ۵۴، سورہ نور ۵۶ اور سورہ فرقان سے عبد الرزاق نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن مجید نے پیغمبر کے نگہبان، وکیل، جبار یا طاقت کا استعمال کرنے والا ہونے کی شدید نفی کی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ لوگوں کو مومن بنانے میں پیغمبرؐ نے طاقت کا استعمال نہیں کیا، اب جو شخص نگہبان اور تسلط والا نہیں ہے وہ ملک (دنیوی رئیس و حاکم) بھی نہیں ہے کیوں کہ ہر دنیوی قدرت (ملک) کا لازمہ تسلط اور لامحدود اقتدار ہے[3]۔

عبد الرزاق کے نظریہ کے مطابق اسلام خدا کی طرف سے ایک دعوت ہے۔ یہ ایک ایسا مذہب ہے جس کا رجحان اصلاح نوع بشر ہے۔ یہ خدا سے قریب کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ اسلام ایک ایسا مجموعہ ہے جس سے کل بشریت کو مرتبط کرنے کا خدا نے ارادہ کیا ہے۔ وہ زمین کے تمام انسانوں کو اسی حلقہ میں لانا چاہتا ہے، یہ مقدس دعوت تمام انسانوں کے لئے ہے، انہیں چاہئے کہ وہ خدا کی رسی سے وابستہ ہو جائیں ایک امت ہوں، ایک خدا کی عبادت کریں[4]۔

عبد الرزاق کا خیال ہے کہ امامت، خلافت، بیعت، اولی الامر، امت اور جماعت کے جو الفاظ اور اصطلاحات آیات و روایات میں ملتی ہیں وہ آج استعمال ہونے والی حکومت اور سیاست کے معنی میں نہیں ہیں۔ اس وقت ان کے یہ معنی نہیں تھے۔ ان شرعی الفاظ کے جو معنی آج بیان ہو رہے ہیں یعنی امام و خلیفہ،

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۴۰

۲۔ قاسمی، محمد علی، نقد و بررسی تفکر جدایی دین از سیاست، مجلّہ فلسفہ، کلام و عرفان، شمارہ ۲۱، ص ۴۹

۳۔ عبد الرزاق، علی، الاسلام واصول الحکم، ص ۱۴۶

۴۔ ایضاً، ۱۵۲

رئیس حکومت اور اولی الامر بمعنی زمامدار و حکام، بیعت بمعنی انتخاب اور امت وجماعت بمعنی حکومت وممالک اسلامی، یہ تمام معانی جدید ہیں۔ ان الفاظ کا ان معانی کے لئے استعمال اس وقت صحیح ہوگا جب زمان نزول آیات اور روایات کے صدور کے موقع پر ان سے ایسے ہی معنی مراد لئے جاتے ہوں، حالانکہ ایسی بات کا اثبات ممکن نہیں ہے۔[۱]

سیاست کے اسلام سے جدا ہونے کے سلسلہ میں عبد الرزاق نے بہت سی روایتوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ان میں سے احمد بن زینی دحلان کی کتاب السیر النبویہ سے بھی ایک روایت نقل کی کہ پیغمبرؐ کے پاس ایک شخص اپنی حاجت لیکر حاضر ہوا جب وہ آپ کے قریب آیا تو لرزنے لگا۔ پیغمبر نے اس سے فرمایا گھبراؤ نہیں نہ میں ملک ہو نہ جبار، میں تو فقط قریش کی اس عورت کا بیٹا ہوں جو گوشت اور پسا ہوا نمک کھاتی تھی۔ایک حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جب جناب اسرافیل کی طرف سے رسول اکرمؐ کو پیغمبر شاہ اور پیغمبر بندہ کے درمیان انتخاب کی دعوت دی گئی تو آپ نے جناب جبرئیل سے معلومات کی تو جبرئیل نے انکساری کی نشانی کے طور پر زمین کی طرف نظر ڈالی (ایک دوسری روایت میں ہے کہ جناب جبرئیل نے آپ کو متواضع رہنے کا مشورہ دیا) تو پیغمبر نے فرمایا کہ میں پیغمبر بندہ ہوں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر بادشاہ نہیں تھے اور بادشاہ بننا بھی نہیں چاہتے تھے، ان کا مزاج بھی ایسا نہیں تھا[۲]۔

عبدالرزاق اس بات کے بھی قائل ہیں کہ پیغمبر کا اقتدار دینی اقتدار تھا اور وہ رسالت کی دین تھا جو آپ کی وفات کے بعد ختم ہو گئی تو پھر اقتدار بھی ختم ہوگیا۔ اقتدار میں آپ کا کوئی جانشین نہیں تھا، امر رسالت میں بھی ایسا ہی تھا۔اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کے پیروکاروں میں اقتدار ضروری تھا تو یہ اقتدار بالکل جدید تھا آپ کو جو اقتدار حاصل تھا اس کا اس سے کوئی ربط نہیں تھا[۳]۔اس طرح آپ نے پوری زندگی میں حکومت اسلام یا حکومت عربی جیسے کسی نام کی طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا۔ عبدالرزاق کے خیال سے

۱۔ نسبت دین وسیاست، ص ۴۷

۲۔ الاسلام واصول الحکم، ص ۱۵

۳۔ ایضاً، ص ۱۶۸

اسی بنیاد پر پیغمبر نے کسی کو اپنا جانشین بھی نہیں بنایا کیونکہ جانشین بنانا آپ کی ماموریت کا حصہ نہیں تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ عبدالرزاق علی کی جانشینی پر مبنی شیعہ نظریہ کو بھی علمی اعتبار سے بہت معمولی سمجھتے ہیں[1]۔

خلاصہ یہ کہ عبد الرزاق اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ قرآن ، سنت، عقل اور اجماع کسی ذریعہ سے بھی رسالت پیغمبرؐ کے سیاسی ہونے پر دلیل قائم نہیں ہوتی ۔ خلافت یا قضاوت یا حکومت کا کوئی بھی فریضہ دینی امر شمار نہیں کیاجاتا۔ یہ سب باتیں سیاسی ہیں جس پر دین کوئی توجہ نہیں دیتا، نہ اس کی شناخت کرنا چاہتاہے اور نہ انکار، نہ اس کا حکم دیتاہے نہ اس سے منع کرتاہے۔عبد الرزاق کی کتاب میں اسلام کے اندر دین اور سیاست بالکل الگ الگ ہیں ۔انکے خیال میں یہ دونوں چیزیں نہ کبھی ایک دوسرے سے مرتبط تھیں اور نہ آئندہ ہوں گی۔

نتیجہ

جو کچھ اس تحریر میں بیان ہوا اس سے یہی نتیجہ اخذ ہوتاہے کہ مختلف تعریفوں اور گوناگوں نتائج کے باوجود اسلام میں دین وسیاست کے موضوع پر دو نظریات موجود ہیں، ایک دونوں کی جدائی کا نظریہ ہے اور دوسرا، دونوں میں ہم آہنگی اور اتحاد کا نظریہ ہے۔

دین وسیاست میں جدائی کا نظریہ رکھنے والے کم ہیں۔ وہ دونوں میں ہر طرح کے ارتباط اور عمل دخل کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان میں سے کسی کی بھی دوسرے میں مداخلت دونوں کے اضمحلال، ضعف اور ناتوانی کا باعث ہے۔ اس گروہ کے سرخیل کا رواں عبد الرزاق مصری ہیں جو قرآن و احادیث کے مختلف اسناد سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ دین وسیاست میں کسی طرح کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ اس نظریہ کے حامل افراد کے مطابق دین کی ذمہ داری اور مقصد سے سیاست کی ذمہ داری الگ ہے، ایک کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے کا تعلق آخرت سے۔

اس کے مد مقابل دخالت اور ہم بستگی کا نظریہ ہے۔ یہ گروہ ان کے نظریہ کو رد کرتے ہوئے کہتاہے کہ وہ لوگ آیات قرآنی کی اچھی طرح تفسیر وتعبیر اور ادراک سے قاصر ہیں اور روایات و سنت سے بھی صحیح نتیجہ نہیں نکالتے اسی وجہ سے اسلام میں دین وسیاست کے رابطہ کو اچھی طرح

۱۔ چرایی نگاہ متضاد بہ رابطہ دین وسیاست نزد عبدالرزاق مصری وامام خمینی، ص ۱۰

نہیں سمجھتے ۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے دین اسلام کے عقلی پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے اس بناپر عقل کے عمل اور عقلی دلائل پر انہوں نے بہت کم توجہ دی ہے یا اس کی کنہ تک نہیں پہونچ سکے ہیں۔

یہ گروہ قرآنی آیات، روایات اور عقلی دلیلوں سے دین وسیاست کے گہرے اور مضبوط رابطہ کو ثابت کرتاہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ لوگ انسانوں کے سلسلہ میں دین وسیاست کی ذمہ داریوں اور مقاصد کو ایک سمجھتے ہیں۔ انسانوں کی دنیا کو بہتر بنانے کی ذمہ داریاں اسلام بہتر طریقے سے نبھاتا ہے اور انسانوں کی تربیت وپرورش اور انتظام دنیاکے ساتھ ساتھ آخرت کی حقیقی سعادت کی طرف سیاست بھی متوجہ ہے لہٰذا دونوں میں جدائی ممکن نہیں ہے۔ دنیائے اسلام کے اکثر مفکرین، حکماء اور فقہاء کا یہی نظریہ ہے۔ مثلاًمعلم دوم ابو نصر فارابی ، ابن سینا، خواجہ نصیر، ملّا صدرا، شیخ اشراق، شیخ مفید، شیخ طوسی، علّامہ حلی، علامہ مجلسی، ملا احمد نراقی، ماوردی، غزالی ، فخرالدین رازی وغیرہ اسی گروہ میں شامل ہیں۔

عصر حاضر میں سیّد جمال الدین اسد آبادی، محمد عبدہ، نائینی ، امام خمینی، محمد باقر صدر، مرتضیٰ مطہری علامہ طباطبائی ، سید قطب ، مودودی وغیرہ بھی اسی جماعت میں داخل ہیں۔ ایران اور عصر حاضر کے عالم تشیع میں اس گروہ کے سر خیل کا روان امام خمینی ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ دین وسیاست کے درمیان رابطہ کو جو شخص نہ پہچانے یا انکار کرے اس نے اسلام ہی کو نہیں پہچانا کیوں کہ ان دونوں کے عمیق اور مضبوط رابطہ پر بہت سے عقلی اور نقلی دلائل قائم ہیں۔ آیات قرآنی روایات اور حکم عقل وخرد کا اگر ایک تحقیقی جائزہ لیاجائے تو نتیجہ کے طورپر مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ دین وسیاست دونوں ہی کا اصل موضوع انسان ہے ، مختلف پہلوؤں کے باوجود کوئی بھی پہلو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے یعنی نہ تو انسان کا جسم اس کی روح سے جدا ہے اور نہ اس کی دنیا ، آخرت سے الگ ہے لہٰذا انسان کے وجودی پہلو میں تفکیک ممکن نہیں ہے تو پھر اسے دو متقابل رہبری کے سپرد کیسے کیاجاسکتا ہے۔ انسان جیسے ایک وجود کے لئے ایسا کام ممکن ہی نہیں ہے۔

۲۔ دین وسیاست میں جدائی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے دو مقاصد ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے متضاد ہیں یعنی دنیا آخرت کے مد مقابل ، جسم ، روح کے مد مقابل اور مادہ معنویت کے مد مقابل قرار پائے گا۔ ایسا تعارض، انسانی زندگی اور کرامت کے لئے نقصان دہ ہے مثلاً اگر یہ بات فرض کی جائے کہ سیاست اسے بد اخلاقی کی طرف کھینچتی ہے اور دین اسے اخلاق ومعنویت کی طرف بلاتا ہے تو ایسے میں انسان تعارض کا شکار ہو کر زندگی میں حیران وپریشان رہے گا اور پھر اس کے آگے بڑھنے کے راستے مسدود ہو جائیں گے۔

۳۔ دین وسیاست میں جدائی کا نظریہ نہ تو تاریخی نظریہ ہے اور نہ انسانی، یہ دو ثقافتی زمانہ یعنی وسطی اور جدید دور کی پیداوار ہے۔ جب دنیائے اسلام میں دین وسیاست میں جدائی کی بحث ہی نہ تھی تب یہ بحث پیدا کی گئی بلکہ اسے ایک تاریخی امر کے عنوان سے عصر حاضر میں مغربی ثقافت کے زیر اثر ایجاد کیا گیا لہٰذا صدر اسلام یا اس کے بعد کے ادوار میں اس مسئلہ کا وجود ہی نہیں تھا۔

۴۔ جدید دور میں تیسری دنیا خصوصاً اسلامی معاشرہ میں اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر دین و سیاست کی جدائی کے نظریہ کو استعماری طاقتوں نے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ انہوں نے لوگوں کے درمیان اس نظریہ کی ترغیب دلائی اور انہیں پھنسانے کی بھرپور کوشش کی لہٰذا جدائی کا نظریہ اسلام کے دشمنوں کو نفع پہونچانے کا نظریہ ہے جو انہیں کی طرف سے اٹھایا گیا ہے اور یہ ایک استعماری حربہ ہے لہٰذا اس کو ہوا دینا اسلام اور اس کے پیروکاروں کے لئے نقصان کا باعث ہے، اصل بقائے حیات اور کاروبار حیات سے تعارض کا باعث ہے تو اب کوئی مکتب ایسے فکر کی پابندی کیسے کر سکتا ہے جو اس کے اور اس کے پیروکاروں کے لئے ضرر رساں ہو۔

۵۔ قرآنی آیتوں سے ان دونوں کی جدائی کے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ مضبوط نہیں ہیں بلکہ بہت ہی شاذونادر ہیں اور مسلمان دانشوروں اور مفسرین کے نظریہ سے ٹکراتے ہیں۔

۶۔ جن روایتوں میں پیغمبر اکرمؐ کو بادشاہی کے بجائے نبوت کے لئے منتخب کرنے کا ذکر ہے وہ روایتیں بھی دین وسیاست کی جدائی پر دلالت نہیں کرتیں کیوں کہ ان میں دو طرح کی چیزوں کو ایک ساتھ رکھ دیا گیا ہے مثلاً بادشاہی کو پیغمبری کے ساتھ رکھا گیا ہے حالانکہ یہ دو قسم کی چیزیں

دین وسیاست کے برابر نہیں ہیں۔ بادشاہی ایک خاص طرح کا نظام ہے جبکہ نبوت کے اندر سیاسی اور الٰہی دونوں نظام ہو سکتے ہیں یعنی اس میں ایسی سیاست ہو سکتی ہے جو آسمانی اور خدائی سیاست ہو۔

۷۔ شریعت اور حکومت کے رابطہ والی بحث بھی دین وسیاست کے رابطہ والی بحث کے مترادف نہیں ہے کیوں کہ نہ تو شریعت وشرع دین کے مترادف ہے اور نہ حکومت، سیاست کے مترادف ہے۔

۸۔ پیغمبر اسلام کی دس سال کی مدنی سیرت، حضرت علیؑ کی حکومت کے چار سال اور چھ مہینہ کی سیرت ، چھ مہینہ تک امام حسنؑ کی حکومت کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ دین وسیاست میں کوئی جدائی نہیں ہے۔

۹۔ گذشتہ بیانات کے مطابق دین وسیاست کے رابطہ کے طرفدار گروہ کی دلیلیں زیادہ منطقی ، معقول اور قابل استفادہ ہیں۔ وہ قرآنی آیتوں سے اپنا استدلال پیش کرتے ہیں۔ مخالفین جن کے ذریعہ رابطہ کی نفی کرتے نظر آتے ہیں وہ دین وسیاست کی ساخت اور مفہوم ، قرآنی آیتوں کے ذریعہ ثابت کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ مخالفین جن آیتوں سے اس رابطہ کو رد کرنا چاہتے ہیں ان میں سے بہت سی آتیں مکی ہیں جو اس زمانہ سے متعلق ہیں جب رسول اکرم لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے ۔ اس کے علاوہ مخالفین نے ان تمام آیتوں کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے روایتوں کے بارے میں بھی ان کی یہی حالت ہے۔

غرض کہ دین وسیاست کا موضوع انسان اور اس کی پرورش ہے اور انسان ایک ایسا موجود ہے جس کی ساخت اور فطرت ایک ہے، نتیجہ میں تدبیر ہدایت اور اس کی پرورش کرنے والے دین وسیاست کو بھی متحد ہونا چاہئے تاکہ وہ انسان کی پرورش ، ہدایت اور امور کی تدبیر کا لائحہ عمل پیش کرکے دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو۔

منابع ومآخذ:

- ❖ قرآن کریم
- ❖ ابن خلدون ، ترجمہ محمد پروین گنا بادی، شرکت انتشارات علمی وفرہنگی ، تہران،۱۳۶۶
- ❖ اکبریان، علی، دین وسیاست، مجلّہ فلسفہ، کلام وعرفان شمارہ ۲، ۳، ۱۳۷۶

❖ امام خمینی، شؤون واختیارات ولی فقیہ، ترجمہ ولایت فقیہ از کتاب البیع، وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۶۹

❖ امام خمینی ، فرہنگ نامہ سیاسی، الٰہی ، انتشارات وزارت فرہنگ وارشاد اسلامی، تہران، ۱۳۷۱

❖ امام خمینی، صحیفۂ نور، جلد ۸ ، سازمان مدارک فرہنگی انقلاب اسلامی وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران ۱۳۷۳

❖ امام خمینی ، صحیفۂ امام، ج ۲۲ ، موسسۂ تنظیم ونشر آثار امام خمینی ، تہران، ۱۳۸۷

❖ امام خمینی، ولایت فقیہ، انتشارات آزادی، قم

❖ بہادروند، محمد مہدی، در آمدی بر رابطۂ دین وسیاست، مجلّہ فقہ واصول حکومت اسلامی، شمارہ ۲۴، تابستان ۱۳۸۱

❖ جعفری ، محمد ، سکولاریزم از دیدگاہ شہید مطہری، مجلّہ فلسفہ کلام و عرفان رواق اندیشہ، شمارہ ۱۴، ۱۳۸۱

❖ جمشیدی محمد حسین ، رخ اندیشہ، کتاب اول ، کلبہ معرفت، تہران، ۱۳۸۵

❖ خواجہ سروری، غلامرضا، رابطۂ دین وسیاست در اندیشۂ مہندس بازرگان، مجلّہ پانزدہ خرداد، دورہ اول ، شمارہ ۲۳، ۱۳۷۵

❖ خواجہ سروری، غلام رضا، وحدت دین وسیاست در اندیشۂ امام خمینی ، مجلّہ علوم سیاسی، شمارہ ۱۶، ۱۳۸۰

❖ دہخدا، علی اکبر، لغت نامہ ، ، انتشارات دانشگاہ تہران، تہران، ۱۳۸۳

❖ دو ورژہ، مورلیس، اصول علم سیاست ، ترجمہ ابو الفضل قاضی ، داد گستر، تہران، ۱۳۷۶

❖ سہرابی فر، محمد تقی، گذر از تعریف دین بہ شمول گرائی ، مجلّہ رواق اندیشہ، شمارہ ۳۱، ۱۳۸۵

❖ شجاعی زند، علی رضا ، تعریف دین و معضل تعدد ، مجلّہ نقد ونظر، سال پنجم، شمارہ سوم وچہارم ، ۱۳۸۵

❖ صدر، سید محمد باقر، سنت ہائے تاریخ در قرآن ، ترجمہ سید جمال موسوی اصفہانی ، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعۂ مدرسین حوزہ علمیہ قم، قم، ۱۳۸۸

❖ عبد الرزاق، علی ، اسلام ومبانی قدرت، ترجمہ امیر رضائی ، انتشارات قصیدہ سرا، ۱۳۸۰

❖ عبد الرزاق، علی ، الاسلام واصول الحکم ، دراسات ووثائق محمد عمارہ ، الموسۃ العربیہ للدراسات والنشر، بیروت، ۲۰۰۰

❖ عمید زنجانی ، عباس علی ، نسبت دین وسیاست ، مجلّہ فلسفہ ، کلام وعرفان ، ۱۳۷۵

❖ فارابی، ابو نصر ، تحصیل السعادہ، دار المکتبہ الہلال، بیروت، ۱۹۹۵

❖ فاضل، مقداد بن عبداللہ، اللوامع الالٰہیہ فی مباحث الکلامیہ، مطبوعہ محمد علی قاضی طباطبائی، تبریز،۱۳۹۶ق
❖ قاسمی، محمد علی، نقد وبررسی تفکر جدائی دین از سیاست، مجلّہ ،فلسفہ، کلام وعرفان(رواق اندیشہ)،شمارہ ۲۱، ۱۳۸۲
❖ لاریجانی، جواد ، نقد دینداری ومدرنیسم ، انتشارات اطلاعات، تہران ،۱۳۷۲
❖ ماوردی ، علی (۱۳۹۳ق / ۱۹۷۳م)، الاحکام السلطانیہ ، قاھرہ
❖ محمدی، سید مرتضٰی ، رابطۂ دین وسیاست در سہ حوزہ نبوت، امامت و فقاھت، مجلّۂ فلسفہ، کلام وعرفان ، سفیر، پیش شمارہ ۲ ،۱۳۸۵
❖ مصباح یزدی ، محمد تقی ، آموزش عقائد
❖ مطہری، مرتضٰی ، نہضت ھای اسلامی در صد سالہ اخیر، انتشارات صدرا، تہران،۱۳۷۱
❖ مطہری ، مرتضٰی ، امام ورہبری، انتشارات صدرا ، تہران،۱۳۷۴
❖ مظفری، آیت ، چرایی نگاہ متضاد بہ رابطہ دین وسیاست نزد عبدالرزاق مصری وامام خمینی، فصلنامہ مطالعات انقلاب اسلامی، سال چہارم شمارہ ۱۵ ، ۱۳۸۷
❖ Robertson, Roland , The Sociological Interpretation of Religion , Oxford , Basil Balackwell. 1970
❖ Tansey. Stephen D, Polities. London: Routledae, 2000.